امریکا کے ساتھ کوئی ڈبل گیم نہیں کی جارہی، پاکستان امریکا کی ماتحت ریاست ہے

کافی عرصے سے پاکستان میں آنے والی مختلف حکومتیں یہ تاثر دیتی رہی ہیں کہ وہ امریکا کے ساتھ ڈبل گیم یعنی دھوکا کر رہیں ہیں۔ یہ حکومتیں ایسا اس لیے کہتی رہی ہیں کیونکہ وہ مسلسل پاکستان کے مسلمانوں کے مفادات کو امریکی مطالبات کو پورا کرنے کے لیے قربان کرتی آرہیں ہیں۔ لہٰذا اس غدارانہ عمل کی وجہ سے پیدا ہونے والے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے انھوں نے یہ موقف اپنائے رکھا کہ وہ ڈبل گیم کر رہیں ہیں تا کہ اپنی غداری پر پردہ ڈال سکیں۔ افغانستان میں جاری جنگ اور افغان طالبان کے حوالے سے پاکستان کے خلاف انتہائی سخت امریکی بیانات حکمرانوں کی جانب سے کیے جانے والے ڈبل گیم کے تاثر کو بظاہر تقویت پہنچاتے ہیں۔ لیکن مشرف کے دور سے لے آکر آج تک وقوع پذیر ہونے والے سیاسی حقائق کے تفصیلی اور گہرے تجزیے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حکمرانوں کی جانب سے امریکا کے ساتھ کوئی ڈبل گیم نہیں کی گئی۔ درحقیقت پاکستان اپنے تمام معاملات میں امریکا کی ماتحت ریاست ہے۔

اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے ریاستیں مختلف اسالیب اور طریقے اختیار کرتی ہیں۔ ریاستوں کی جانب سے اہداف کے حصول کے لیے منصوبوں کی تشکیل ایک عمومی پالیسی ہوتی ہے۔ یہ منصوبے عام طور پر طویل مدت کے لیے بنائے جاتے ہیں اور یہ کم ہی تبدیل ہوتے ہیں لیکن ان منصوبوں پر عملدرآمد کے لیے اختیار کیے جانے والے اسالیب تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اسالیب یا طریقہ کار ایک مخصوص پالیسی ہوتی ہے جس کا تعلق اس منصوبے کی تفصیلات یا جزیات سے ہوتا ہے۔ یہ اسالیب اس منصوبے کی تکمیل یا اس کی مضبوطی کے لیے معاون ہوتے ہیں۔ تو ریاست اپنے ہدف کا تعین کرتی ہے جسے وہ حاصل کرنا چاہتی ہے جبکہ منصوبے کا دوسرا حصہ اس ہدف کو حاصل کرنے کی عملی تفصیلات ہوتی ہیں۔ 2008 سے افغانستان کے لیے امریکا کا منصوبہ یہ ہے کہ وہ افغانستان کے مسئلے کے لیے ایک ایسے سیاسی حل کے حصول کے لیے کام کر رہا ہے جہاں طالبان کو بھی کابل کی حمایت یافتہ حکومت کا حصہ بنایا جائے اور ساتھ ہی ساتھ امریکا کو اس بات کی آزادی ہو کہ وہ افغانستان میں اپنے فوجی اڈے برقرار رکھ سکے۔ ان فوجی اڈوں کو اس بہانے برقرار رکھا جائے گا کہ کابل حکومت نے اپنی بقاء کو یقینی بنانے کے لیے انہیں برقرار رکھنے کی درخواست کی ہے۔ اس ہدف کے حصول کے لیے امریکا نے مذاکرات اور فوجی آپریشنز دونوں اسلوب اختیار کیے۔ اوباما کی پہلی مدت صدارات میں پینٹاگون اوباما کو اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ افغانستان اور پاکستان میں مزاحمت کاروں کو کمزور کرنے کے لیے فوجی آپریشنز کا اسلوب اختیار کیا جائے، اور اس طرح مزاحمت کاروں کو سیاسی حل کے لیے مذاکرات کی میز پر بیٹھنے پر مجبور کیا جاسکے گا جبکہ دوسری جانب ان مذاکرات میں امریکا مضبوط پوزیشن سے بات کرسکے گا اور اس کی مرضی کا سیاسی حل نکل سکے گا۔

لیکن پاکستان اور افغانستان میں فوجی آپریشنز کے ذریعے مزاحمت کاروں کو کمزور کرنے میں ناکامی، امریکا میں افغان جنگ کا غیر مقبول ہونا اور دنیا کے دیگر معاملات میں امریکا کو درپیش چیلنجز، جیسا کہ ابھرتا ہوا چین، مشرق وسطیٰ اور عرب ممالک میں انقلاب کی تحریکیں، عالمی معاشی تنزلی اور شمالی کوریا کا مسئلہ، عالمی معاملات میں چیلنجز میں اضافے نے امریکا کو افغانستان میں اپنے اسلوب کو بدلنے پر مجبور کیا۔ اب امریکا اپنے ہدف کے حصول یعنی افغانستان میں اپنے فوجی اڈوں کو برقرار رکھنے کے ہدف کے حصول کے لیے فوجی اسلوب کو چھوڑ کر کابل میں اپنی کٹھ پتلی حکومت کی زیر سرپرستی مذاکرات کے اسلوب کو اپنانے کی راہ پر چل پڑا ہے۔

11/9 کے بعد سے ایک کے بعد ایک آنے والی پاکستان کی حکومتیں امریکا کی وفادار رہیں اور اس کے مفادات کے حصول کے لیے فوری حرکت میں آتی رہیں بلکہ 11/9 سے پہلے بھی یہی صورتحال تھی۔ ماتحت ریاست کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ وہ جس عالمی ریاست کی ماتحت ہوتی ہے اسی کی پالیسیوں کی پیروی کرتی ہے اس بات سے قطع نظر کہ وہ پالیسی یا عمل اس کے لیے نقصان کا باعث ہو سکتا ہے۔ پاکستان کے صدر پرویز مشرف نے ایک تقریر میں، جو کہ اسلامی حوالاجات سے بھرپور تھی، اس بات کا اعلان کیا تھا کہ پاکستان امریکا کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شامل ہونے کے لیے تیار ہے۔ اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ پاکستان میں افغانستان پر امریکی حملے کے خلاف انتہائی مضبوط عوامی رائے پائی جاتی

ہے، مشرف نے پاکستان کے بنیادی مفادات کا تعین کیا اور پاکستان کے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہوئے یہ دعوی کیا کہ پاکستان کے ان مفادات پر کوئی سودے بازی نہیں کی جائے گی۔ 19 ستمبر 2001 کو مشرف نے کہا "ہمارے اہم مفادات ہماری خود مختاری، دوسرا ہماری معیشت، تیسرا ہمارے اسٹریٹیجک اثاثے (ایٹمی اور میزائل)، اور چوتھا کشمیر ہے"۔ آنے والے سالوں میں پاکستان کے ان چاروں مفادات کو امریکی احکامات کی پیروی میں پاکستان کے حکمرانوں نے نظر انداز کر دیا۔

مشرف کی حکومت کی جانب سے افغان مزاحمت میں متحرک پختون قبائل کے خلاف شروع کیے گئے فوجی آپریشنز نے پاکستان کی معیشت کو ہلا کر رکھ دیا۔ ان فوجی آپریشنز کو بعد میں آنے والی حکومتوں نے بھی جاری رکھا۔ پاکستان اکنامک سروے کی 17-2016 کی رپورٹ کے مطابق حکومتِ پاکستان نے اندازہ لگایا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شرکت کی وجہ سے پاکستان کی معیشت کو 123.13 ارب ڈالر کا نقصان پہنچا جو کہ پاکستان کی کُل ملکی پیداروار کا 40 فیصد بنتا ہے۔ امریکا کے ساتھ کیے گئے خفیہ معاہدے کے تحت پاکستان کے حکمرانوں نے امریکا کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ پاکستان کی خود مختاری کو تار تار کرتے ہوئے اس کی سرزمین پر پختون مزاحمت کاروں کے خلاف ڈرونز استعمال کر سکتا ہے۔ اس کے بعد امریکا نے پاکستان کے حکمرانوں کی اجازت سے ایبٹ آباد میں اسامہ بن لادن کے خلاف فضائی حملہ کیا۔ جب ڈاکٹر عبد القدیر پر یہ الزام لگا کہ انہوں نے ایٹمی راز مختلف ریاستوں کو فروخت کیے ہیں تو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی زبردست جانچ پڑتال اور اس پر تنقید کی گئی۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر ادارتی قدغنیں لگانے کے لیے امریکا نے اس موقع کو استعمال کیا۔ واشنگٹن نے مطالبہ کیا کہ پاکستان اپنے ایٹمی پروگرام کے کمانڈ اینڈ کنٹرول اسٹرکچر کو مضبوط بنانے کے لیے طریقہ کار واضح کرے، اور اس طرح امریکا کو موقع ملا کہ وہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی نگرانی کر سکے۔ مشرف نے کشمیری جہادی تنظیموں کو کالعدم قرار دیا اور اس کے دور میں پاکستان کی ریاست نے ہندو ریاست کے ساتھ نارملائزیشن کی پالیسی اختیار کر کے مسئلہ کشمیر کو پس پشت ڈال دیا۔ مشرف کے بعد ہر آنے والی حکومت نے اسی پالیسی کو جاری وساری رکھا۔

پاکستان کی افغانستان کے معاملات میں قابل ذکر مداخلت کی ابتدا اس وقت ہوئی جب امریکا کے قومی سلامتی کے مشیر بزین سکی نے افغانستان کے لیے منصوبہ بنایا۔ امریکی سی آئی اے اور پاکستان کی آئی ایس آئی کے مشترکہ اشتراک سے ایسی کارروائیاں کیں گئیں جس کے ذریعے امریکا نے سوویت یونین کو افغانستان پر حملے کے لیے اکسایا۔ اس کے بعد امریکا نے سوویت یونین کے خلاف افغان مجاہدین کو حمایت فراہم کرنے کے لیے پاکستان کو استعمال کیا جس کے نتیجے میں سوویت یونین کو شکست ہوئی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ افغان جنگ کے حوالے سے امریکا کا منصوبہ یہ تھا کہ اس جنگ اور اس کے حوالے سے کارروائیوں کو پاکستان کے حوالے (Out source) کر دیا جائے۔ امریکا نے جنگ کی منصوبہ بندی، عمل درآمد، اسلحے اور افراد کی نقل و حمل اور اس جنگ کے فکری پہلو کی آبکاری میں پاکستان کی فوج اور انٹیلی جنس کو مکمل طور پر ملوث رکھا۔ سوویت یونین کے خلاف افغان جنگ میں ایک متحرک اور موثر ادارتی ڈھانچے کی تشکیل کے لیے بہت بڑی کوشش درکار تھی۔ اس ادارتی ڈھانچے نے ایک طرف تو نظریاتی طور پر پاکستان اور افغانستان کے معاشرے کو جہاد کی حمایت کے لیے تیار کیا تو دوسری جانب اس نے پاکستان اور افغانستان میں ہزاروں قبائلی مردوں کو افغان جہاد میں شریک ہونے کے لیے تربیت فراہم کی۔ اس ادارتی ڈھانچے کے ذمے جہادیوں کو اسلحہ اور گولہ بارود فراہم کرنے کے لیے قابل بھروسہ نقل و حمل کا ڈھانچہ کھڑا کرنا بھی شامل تھا۔ اس دور میں افغانستان کے لیے امریکا کا منصوبہ یہ تھا کہ افغانستان کے لیے امریکی منصوبے کی تمام ذمہ داریاں پاکستان کے حوالے کی جائیں۔

امریکی پالیسی ساز اس بات کا بالکل اندازہ نہیں لگا سکے کہ خطے میں یہ جہادی گروہ امریکا کے مفادات کے لیے کتنا بڑا خطرہ بن سکتے ہیں۔ افغان جنگ کو پاکستان کے حوالے کرنے سے پاکستان کی افواج اور انٹیلی جنس میں ایسے آفسران کی ایک پوری نسل تیار ہو گئی جو افغانستان کے امور میں پاکستان کی مداخلت کو ادارے کے مفاد کے طور پر دیکھتے تھے۔ اس بات کی امریکا نے 1980 سے 2000 تک حوصلہ افزائی کی۔ پاکستان کا افغان امور میں اس قدر تفصیلی طور پر ملوث ہونے کی وجہ سے امریکا اس قابل ہوا کہ سوویت یونین کو شکست دے اور اس کے جانے کے بعد افغانستان میں استحکام لا سکے۔

اس دور میں پاکستان کے فوجی منصوبہ سازوں نے بھارت کے خطرے کے انسداد کے لیے افغانستان میں پاکستان کی موجودگی کو لازمی قرار دیا۔ جنرل اسلم بیگ نے پہلی بار افغانستان کے لیے "اسٹریٹیجک ڈیپتھ" (تضویراتی گہرائی) کی اصطلاح استعمال کی۔ بھارت کے حملے کے خطرے کے پیش نظر اور پاکستان کی جغرافیائی موٹائی کی کمی کی وجہ سے ایک دفاعی حکمت عملی کے تحت افغانستان میں پاکستان کے فوجی اثاثوں کو رکھنے کا تصور پیش کیا گیا۔ اگرچہ اس فوجی تصور پر عمل کبھی نہیں ہوا لیکن یہ تصور پاکستان میں بہت مشہور و معروف رہا اور اس کی بنیاد پر پاکستان افغانستان کے معاملات میں اپنی مداخلت کا جواز اپنی عوام کے سامنے پیش کرتا رہا۔

لیکن جب امریکا میں نیو کنزرویٹوز اقتدار میں آئے تو انہوں نے افغانستان کے حوالے سے نیا منصوبہ پیش کیا جس کے تحت پاکستان اور افغانستان میں موجود جہادی گروہوں اور ان کو حمایت فراہم کرنے والے ڈھانچوں کو ختم یا انتہائی کمزور کرنا امریکی پالیسی کا حصہ بن گیا۔ پاکستان کی حکومت نے فوراً نئے امریکی مطالبات کو تسلیم کیا اور انتہائی جلد بازی میں افغان جہاد کو حمایت فراہم کرنے والے اداراتی ڈھانچوں کو ختم کرنا شروع کر دیا۔ اس کا آغاز مشرف کے دور میں ہوا جب اس نے افواج پاکستان اور اس کے انٹیلی جنس اداروں سے ان افسران کو نکالنا شروع کر دیا جو افغان جہاد میں ادارے کی جانب سے فرائض ادا کرتے رہے۔ مشرف نے ایسے افسران کی ترقیاں روک دیں، انہیں جلدی ریٹائر کر دیا یا انہیں غیر جنگی یا کم اہم امور پر تعینات کر دیا، یا پھر سیدھا سیدھا فارغ کر دیا۔ پاکستان کی افغان پالیسی اور جہادی گروہوں کے حوالے سے اس نئی انقلابی تبدیلی، جسے اس دور میں "یوٹرن" بھی کہا گیا، کی وجہ سے عوامی ردعمل سے بچنے کے لیے جہاں پاکستان کی حکومت نے کئی دلائل پیش کیے وہیں امریکا کے ساتھ "ڈبل گیم" کا تصور بھی پیش کیا۔ ڈبل گیم یہ تھی کہ پاکستان سرکاری طور پر افغانستان میں امریکا کی مکمل مدد و معاونت کرے گا لیکن خفیہ طور پر اسے افغانستان میں ناکام کرنے کے لیے کام کرتا رہے گا۔

پاکستان کے حکمرانوں کی امریکا سے وفاداری کا سب سے بڑا ثبوت وہ جامع اداراتی اصلاحات ہیں جو مشرف حکومت اور اس کے بعد آنے والی حکومتوں نے روشناس کرائیں تاکہ افغان جہاد کو حمایت فراہم کرنے والے ڈھانچے ختم ہو جائیں۔ یہ اصلاحات اس بات کا ثبوت ہیں کہ پاکستان امریکا کی ماتحت ریاست ہے۔ پاکستان کی فوجی اور سیاسی قیادت نے ریاست کے اداروں اور ڈھانچوں کی سمت تبدیل کی تاکہ امریکا کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں حصہ لیا جا سکے۔ وہ اداراتی اصلاحات جو کہ پاکستان کے حکمرانوں نے امریکا کی کہنے پر کیں اور جس نے پاکستان کی ریاست کو تبدیل کر دیا ان میں سے کچھ یہ ہیں: جہادی گروہوں کو کالعدم قرار دینا، 17ویں آئینی ترمیم جس نے مشرف کی جانب سے اٹھائے گئے ان اقدامات کو آئینی تحفظ فراہم کیا جو اس نے افغانستان میں امریکی جنگ کو مدد فراہم کرنے کے لیے اٹھائے تھے، 21ویں آئینی ترمیم جس کے تحت پاکستان میں فوجی عدالتیں قائم کیں گئیں تاکہ ان لوگوں پر مقدمات چلائے جائیں جنہیں عسکریت پسندوں کے خلاف فوجی آپریشنز کے دوران گرفتار کیا گیا تھا، ایسے قوانین لائے گئے جس کے تحت ایسی خصوصی عدالتیں بنائیں گئیں جہاں ان افراد پر مقدمات چلائے گئے جنہیں عسکریت پسندوں کے خلاف آپریشنز کے دوران گرفتار کیا گیا تھا، انسداد دہشت گردی کی عدالتوں کا قیام اور انسداد دہشت گردی کے قوانین میں تبدیلیاں، تعلیمی اصلاحات، انسداد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کی پالیسی میں تبدیلی، نئے آئینی اداروں کا قیام جیسا کہ نیشنل کاونٹر ٹیررازم اتھارٹی، پبّی میں نیشنل کاونٹر ٹیررازم ٹریننگ سینٹر کا قیام، پاکستان آرمی کی گرین بک میں تبدیلی کہ بھارت کو اب دشمن نمبر ایک کی پوزیشن سے ہٹا کر جہادی خطرے کو نمبر ایک خطرہ قرار دیا گیا، فائنینشل ایکشن ٹاسک فورس (ایف اے ٹی ایف) اور ایشیا پیسیفک گروپ کے دباؤ پر منی لانڈرنگ اور کاؤنٹر ٹیررازم فائنینسنگ کے قوانین کو سخت بنانا۔

پاکستان کے طالبان کے ساتھ تعلقات سوویت یونین کے افغانستان سے جانے کے بعد شروع ہوئے جب پاکستان نے انہیں افغانستان میں اقتدار حاصل کرنے میں مدد فراہم کی تاکہ وہاں پر استحکام پیدا ہو۔ یہ اسی امریکی منصوبے کا تسلسل تھا جس کے تحت پاکستان نے امریکا کی جانب سے افغانستان کے معاملات چلانا تھے۔ 9/11 کے بعد امریکا نے افغانستان کے حوالے سے اپنے منصوبے میں تبدیلی کی اور افغانستان میں اپنی براہ راست موجودگی قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس لیے امریکا نے افغانستان کے امور کی براہ راست دیکھ بحال کی ذمہ داری پاکستان سے واپس لے لی۔ لیکن اس سے پہلے کہ امریکا افغانستان میں استحکام پیدا کر سکتا، وہ عراق کی جنگ میں ملوث ہو گیا جہاں وہ ایک ایسی دلدل میں پھنس گیا جس کی وجہ سے وہ

افغانستان پر زیادہ توجہ مرکوز نہ رکھ سکا۔ اس صورتحال نے طالبان کو موقع فراہم کیا کہ وہ ایک بار پھر منظم ہوں اور انہوں نے شہادت کے حصول کے شوق کے ساتھ امریکی قبضے کے خلاف مزاحمت شروع کر دی۔ بش کے دورِ حکومت کے اختتام پر امریکا کی افغانستان میں تقریباً 30 ہزار افواج موجود تھیں جو اوباما کے دور میں بڑھ کر ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ افغانستان میں اپنی افواج کی تعداد بڑھا کر جوش جذبے سے بھرپور افغان طالبان کے خلاف براہ راست لڑنے کی امریکی پالیسی بُری طرح سے ناکام ہوئی۔ امریکا افغان مزاحمت کو کچلنے میں ناکام رہا۔ امریکا نے پاکستان میں موجود اپنے ایجنٹ حکمرانوں کے ذریعے پاکستان میں موجود ان ڈھانچوں کے خلاف فوجی آپریشنز کرائے جو افغان جہاد کو حمایت فراہم کرتے تھے لیکن اس سے بھی اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ پاکستان میں افغان جہاد کو حمایت فراہم کرنے والے ڈھانچوں کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے حکمرانوں نے طالبان قیادت کو حمایت اور رہنے کے لیے ٹھکانے فراہم کیے کہ ان پر وہ کچھ نہ کچھ اپنا اثرورسوخ برقرار رکھ سکیں۔ عوامی بیانات میں امریکی حکام کا پاکستان سے یہ کہنا کہ وہ طالبان قیادت کے ساتھ اپنے تعلقات ختم کرے درحقیقت طالبان قیادت پر دباؤ ڈالنے کا ایک طریقہ کار ہے۔ اس طرح کے بیانات کے ذریعے امریکا طالبان قیادت کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ اگر انہوں نے امریکی مطالبات تسلیم نہ کیے تو وہ ان پر کس قسم کا دباؤ ڈال سکتا ہے۔ افغانستان میں امریکی افواج کی تعداد میں اضافے اور پاکستان کے ذریعے فوجی آپریشنز کرا کر طالبان کو فوجی لحاظ سے دباؤ میں لانے کی پالیسی کی ناکامی کے بعد اس قسم کے عوامی بیانات طالبان پر پاکستان کے اثرورسوخ میں اضافہ کرتے ہیں اور اب امریکا پاکستان کے اس اثرورسوخ کو افغانستان میں سیاسی حل تک پہنچنے کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ درحقیقت یہ ٹرمپ کی جنوبی ایشیا سے متعلق پالیسی کا انتہائی اہم ترین حصہ ہے جس کے تحت پاکستان کے اثرورسوخ کو استعمال کر کے طالبان کو مذاکرات کی میز پر لایا جائے۔

افغان طالبان پر پاکستان کے اثرورسوخ کو امریکا اپنے ایک اثاثے کے طور پر دیکھتا ہے جسے وہ اپنے فائدے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ اس حوالے سے امریکی حکام نے حالیہ دنوں میں کئی بار بات کی ہے۔ 2 اکتوبر 2018 کو واشنگٹن میں امریکی سیکریٹری خارجہ مائیک پومپیو اور پاکستان کے وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی کے درمیان ملاقات کے بعد امریکی دفتر خارجہ کی ترجمان ہیتر نویرٹ نے کہا کہ اعلیٰ سفارت کاروں نے "اس بات پر زور دیا کہ پاکستان افغانستان میں بات چیت کے ذریعے حل کے حوالے سے اہم کردار ادا کر سکتا ہے"۔ حال ہی میں طالبان رہنما، ملا عبد الغنی برادر کو پاکستان کے حکام کی جانب سے رہائی ملنا اسی جانب ایک قدم ہے۔ یہ رہائی امریکی نمائندہ خصوصی برائے افغانستان مفاہمت، زلمے خلیل زاد کی دوہا میں طالبان کے رہنماوں سے ملاقات کے بعد عمل میں آئی جس میں افغان تنازعہ کو ختم کرنے کے لیے کئی آپشنز پر بات چیت کی گئی۔ یہ بات واضح رہے کہ اگرچہ پاکستان کا افغان طالبان پر کچھ اثرورسوخ ہے لیکن بحثیت مجموعی طالبان مزاحمت پر پاکستان کا مکمل اثروسوخ نہیں ہے۔ افغان طالبان قیادت کسی حد تک آزاد ہے۔ یہ وہ آزادی ہے جس کی وجہ سے پاکستان کے "ڈبل گیم" کے حوالے سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ طالبان مزاحمت پاکستان کے مکمل اور فیصلہ کن کنٹرول میں نہیں ہے۔

پاکستان کسی حد تک ضرور طالبان قیادت پر اثرورسوخ رکھتا ہے۔ امریکا یہ امید رکھتا ہے کہ وہ اس اثرورسوخ کو افغانستان میں سیاسی حل تک پہنچنے میں استعمال کر سکتا ہے جس کے تحت وہاں اس کے فوجی اڈے برقرار رہیں۔ پاکستان کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس مسئلہ پر آواز بلند کریں تا کہ افغان طالبان اس سازش کا شکار نہ ہو جائیں۔ مسلمانوں کو طالبان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے کہ وہ اپنے رب سے مخلص رہیں تا کہ وہ مذاکرات کی میز پر میدان جنگ میں جیتی ہوئی جنگ نہ ہار دیں۔ اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کی جدوجہد کریں تا کہ پاکستان کی زبردست صلاحتیں مسلمانوں کے مفادات کی حفاظت اور اسلام کی بالادستی کے لیے استعمال ہو سکیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، (فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ) "تو تم ہمت نہ ہارو اور (دشمنوں کو) صلح کی طرف نہ بلاؤ۔ اور تم تو غالب ہو۔ اور اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ ہرگز تمہارے اعمال کو کم (اور گم) نہیں کرے گا" (محمد:35)

حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کے لیے لکھا گیا

انجینئر معیز- پاکستان